اہل قلم کی نظر میں

بلند اقبال خدا نہیں ہے۔۔۔کردار تو خدا بھی پیدا کرتا ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد اُنہیں بھول جاتا ہے۔بلند اقبال اپنے کرداروں کے نکھ سکھ کچھ اِس خوبصورتی سے سنوارتا ہے کہ حالات کے جھمیلوں میں پھنسے ہوئے بھی وہ خدا کی تخلیق سے کچھ زیادہ ہی جانے پہچانے لگتے ہیں۔وہ اُن کے عادات واطوار کو پہچانتا ہے،اُن کی خوشیوں وغموں میں برابر کا شریک ہوتا ہے،اُنہیں دلاسا دیتا ہے،اُن کے غموں پر خود کراہتا ہے اور یوں اپنی کہانی مکمل کر کے جیسے خدا سے کہتا ہے ''اب تم بتاؤ،تم بڑے تخلیق کار تھے یا میں!''

ستیہ پال آنند (امریکا)

مجھے جب بھی ذہانت تخلیقی حسن اور اختصار کے ساتھ نت نئے موضوعات لیے ملی ہے میں نے بلا جھجک اسے بلند اقبال کا افسانہ سمجھا ہے اردو کے افسانوی ادب میں جس تیزی کے ساتھ ڈاکٹر بلند اقبال نے مقامِ اعتبار حاصل کیا ہے وہ کم کم ہی نظر آتا ہے۔ان کے افسانوں میں ہماری زندگی کا پرتو مکمل حقیقت کے ساتھ ملتا ہے پھر اُس حقیقت کو حسنِ اختصار کچھ اور بھی نکھار دیتا ہے۔بلند اقبال کی اٹھان بتاتی ہے کہ ابھی اُن کو افسانے کی مزید بلندیوں کی طرف جانا ہے۔

سلطان جمیل نسیم (پاکستان)

ڈاکٹر بلند اقبال کا تعلق ایک ایسے شعبہ سے ہے جو زندگی کے تمام افسانوں کا سرچشمہ ہے۔یہیں زندگی کے افسانے کی ابتدا ہوتی ہے،یہیں اِس میں انواع واقسام کے رنگوں کی امیزش کی جاتی ہے اور یہیں یہ افسانہ سسکتے سسکتے دم بھی توڑ دیتا ہے۔بلند اقبال زندگی کی ان تمام مراحل اور کیفیات کے عینی شاہد ہیں،شاید اسی لیے اُن کا قلم زندگی کے ان سربستہ اسرار ورموز سے کماحقہٗ واقف اور اُن کو بے کم وکاست بیان کر دینے پر قادر بھی ہے۔اُن کے افسانوں میں مواد اور موضوع کی بدلتی ہوئی نوعیت کو تیز رفتاری کے ساتھ گرفت میں لینے کی وہ صلاحیت بڑے پیمانے پر ملتی ہے جو فنکار کو اپنے عصرِ موجود سے باخبر رہنے کی دلیل مہیا کرتی ہے۔یہی گرفت اُن کے زندہ اور فعال معاشرتی شعور کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

ڈاکٹر عروج اختر زیدی (کینیڈا)

بلند اقبال نے اپنے افسانوں کی کتاب ''فرشتے کے آنسو'' میں ایک بڑا معصوم سا جملہ لکھا ہے۔اُنہوں نے کوئی چھ سات سال کی عمر میں اپنی امی سے کہا ''میں سوچتا رہتا ہوں پر سوچ ہی نہیں آتی''۔یہ جملہ بلند اقبال کے تخلیقی ذہن کا مکمل تعارف ہے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں ہی یہ فکر

کے کس دوراہے پر کھڑے تھے اور کس طرح اُن کے بچپن نے اپنے اردگرد بکھری حیرانیوں، حادثات، واقعات، غم، خوشی، حُسن، بدصورتی کو اپنے ذہن کی آنکھ سے دیکھنا اور دل کے ایک کونے میں ڈھیر کرنا شروع کر دیا تھا۔ تبھی تو جب اُنہوں نے اپنے افسانوں کی پہلی کتاب ہمارے ہاتھوں میں تھمائی تو اُن کے مختصر افسانوں کے موضوعات، انکی تکنیک اور اُن کے انداز بیان نے حیران کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ کہانیاں جو کسی منجھے ہوئے تخلیق کار کی کہانیاں لگیں تو اُس کا سبب یہی ہے کہ اُن کی شکلیں تو بلند اقبال بچپن ہی سے ڈھالنے میں مصروف تھے بس اُنہیں اپنی فکر کے آوے میں پکانے اور الفاظ کے رنگ و روغن میں سجانے کا ہنر درکار تھا سو یہ رنگ و روغن بھی لائق دید ہے اور ان کے اس ہنر وسلیقے پر جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بلند اقبال اپنی بلند اقبالی کے تمام تر روشن امکانات کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔

کلک تو بارک اللہ در فکر و فن کشادہ۔۔ صد چشمہ آب حیوان از قطرہ سیاہی

نسیم سید (کینیڈا)